وتر)، فليس يصح له ان يحتج بشي مما في هذا الباب (بداية المجتهد)

اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا خیال ہے؟ تو فرمائیں گے: بس تین رکعت مع دو تشہد! جب آپ ان سے اس کی دلیل دریافت کریں گے تو پھر ہنس کر دکھا دیں گے۔ اگر تکلف سے کسی نے کام لیا بھی تو وہ انھیں اور عریاں کر دے گا۔

اس بارے میں علامہ عینی نے ان کو ایک بات سجھائی ہے (انما ست رکعات منہا تہجد وثلث رکعات وتر (العرف الشذی ص۲۱) جس کو بے کرا انھوں نے "رائی سے پربت" بنا دیا ہے۔ بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی میں سب سے زیادہ اس موضوع پر کام کیا گیا ہے، مگر حاصل؟ بس وہی ڈھاک کے تین پات۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور کبھی چار اور تین، کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین اور کبھی دس اور تین کر کے وتر پڑھتے تھے۔

قلت لعائشۃ: بکم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوتر؟ قالت: باربع وثلث وست و ثلث وثمان وثلاث وعشر وثلاث (ابوداؤد ص۲۱ باب صلوٰۃ اللیل)

اس پر احناف فرماتے ہیں کہ جہاں سات یا نو وتروں کا ذکر آیا ہے، یہ ان کی تفصیل ہے، یعنی آخری تین رکعت صرف وتر ہوتے تھے اور جہاں چھٹی یا آٹھویں رکعت میں تشہد پایا جاتا ہے او وہ دراصل وتر کی اپنی دوسری رکعت کا ذکر ہے۔

ان کی تحقیق کا یہ اسلوب بھی ویسا ہے جیسا بریلوی چارپائی سے گیارھویں ثابت کرتے ہیں۔ اگر یہ وتر کی دوسری رکعت کی بات ہوتی، تو وہ اہل زبان تھے، ان کو چھٹی یا آٹھویں رکعت کا تشہد کہنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے علاوہ جہاں صرف تین یا صرف پانچ رکعتوں کا ذکر ہے وہاں تو سرے سے دوسری یا چوتھی رکعت میں تشہد بیٹھنے کی ہی نفی کی گئی ہے، اب وہاں تین رکعتیں الگ ان سے کیسے انتزاع کی جائیں گی؟

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ وہ وتر "بتیرا" (دم بریدہ بے اصل) سمجھتے ہیں جس سے پہلے اور رکعتیں نہ پڑھی گئی ہوں۔

کرہ افرادا لوتر حتی یکون معہ شفع (شرح معانی الآثار ص۱۷۲)

ہم کہتے ہیں، مزید اور کیا ہو؟ ہمیں اس سے سروکار نہیں، لیکن اس سے وتر کی تین رکعتوں میں "قعدہ اولیٰ" ثابت نہیں ہوتا۔ امام مالک بھی وہی کہتے ہیں جو طحاوی نے کہا ہے۔

بانه علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یوتر تطالا فی اثر شفع فسای ان ذلک من سنة الوتر۔

(بدایة المجتهد لابن رشد ص۲۰۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ تین وتر نہ پڑھا کرو، پانچ یا سات رکعتیں پڑھا کرو، انھیں مغرب سے مشابہ نہ بناؤ۔

لا توتروا بثلاث واوتروا بخمس او سبع ولا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب (دارقطنی ص۱۷۲، والطحاوی ص۱۷۳)

اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ نماز مغرب کی طرح نہ پڑھو کہ اس سے پہلے کچھ نہ ہو، عشا ہو تو پہلے نماز عشا چاہیے، تہجد ہے تو پہلے تہجد کے دوسرے نوافل چاہئیں، تنہا وتر مناسب نہیں، کیونکہ یہ "تتمہ" ہیں اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (رواہ البخاری ص۱۳۶ جلد ۱) اگر آغاز نہ ہو تو "تتمہ" کا ہے کا؟

اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ: اس میں "قعدہ اولیٰ" نہیں ہونا چاہیے! حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تشبّہ سے بچنے کے لیے اسی توجیہ کو پسند کیا ہے کہ: ان میں "قعدہ اولیٰ" نہیں چاہیے: صرف آخری کافی ہے۔

عن عطاء قال: قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: الوتر مثل المغرب الا انه لا یجلس الا فی الثالثة (مصنف عبد الرزاق ص۲۷/۲)

یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (قیام اللیل ص۲۱۰) لیکن حسن کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں۔ اس لیے منقطع ہے ہاں مستدرک حاکم کی روایت قابلِ احتجاج ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی عمل تھا۔

انه کان یوتر بثلاث رکعات لا یجلس فیهن ولا یتشهد الا فی آخرهن (قیام اللیل للمروزی ص۲۱۱)

یہی حضرت طاؤس اور ایوب کا بھی تعامل تھا۔

طاؤس، انه کان یوتر بثلاث لا یقعد بینهن (عبد الرزاق ص۲۷/۲)

قال حماد کان ایوب: یصلی بنا فی رمضان فکان یوتر بثلاث لا یجلس الا فی آخرهن (قیام اللیل ص۲۱۱)

تشبہ کے سلسلے میں صحابہ اور تابعین کا یہ تعامل، مختلف احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کی تخصیص